© rasailojaraid.com

عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت (سیرت طیبہ کی روشنی میں)

(قومی سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ)

پروفیسر نوید احمد شہزاد،
شعبہ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔نئی ایجادات معرض وجود میں آ رہی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے مادی وسائل کو زیادہ بہتر انداز سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب وقت کی رفتار نہایت سریع محسوس ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی تیزی نے پوری دنیا کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے اور اس تیزی اور قربت نے اقوام کے انفرادی تشخص کو متاثر کیا ہے۔ روایات دم توڑ رہی ہیں۔ علاقائی کلچر کی جگہ گلوبل رجحانات متعارف ہو رہے ہیں۔ کسی بھی مفید رویے کو کوئی قوم زیادہ عرصے تک اپنے لئے خاص نہیں رکھ سکتی۔ مزید یہ کہ اب دنیا میں مقابلے کی فضا ہر لمحے طاری رہتی ہے۔ بقا اس کیلئے ہے جو دوڑ میں اپنے آپ کو زیادہ اہل ثابت کر دے۔ جو رہ گیا سو رہ گیا۔ جس نے ہمت کی وہ آگے بڑھ گیا۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات ہر نئی تبدیلی کو قدرے آسانی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ وہ ہر مفید چیز کو دنیا کا مشترکہ سرمایہ سمجھتے ہیں اور ہر نئی سہولت لینے اور نیا رجحان اپنانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک یہ خالص دنیا کو برتنے کا معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں مذہب کے ذریعے قدغن لگانا درست نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ روایت پسند لوگوں کا ہے۔ جو اپنے ماضی سے چمٹے ہوئے، افکار میں پختہ اور اپنے منبع فکر سے مخلصانہ وفاداری پر یقین رکھتے ہیں۔ کون سے گروہ کا طرز عمل درست ہے؟ روایت پسند اور راسخ الفکر لوگ یا جدت پسند اور کھلے ذہنوں کے لوگ۔ آئیے دیکھیں رسول عربی ﷺ نے جو معاشرہ مدینے میں تشکیل دیا، اس میں آپ ﷺ نے کون سا منہج اپنایا؟

مثالی معاشرہ وہ ہے جو سید المرسلین ﷺ نے تشکیل دیا۔ جس کی بنیاد مستحکم عقائد پر رکھی گئی۔ جس کی اقدار خود رب العالمین نے متعین فرمائیں۔ بہترین افراد تھے جو مدینہ کی بستی میں اسلام کے ناطے رسول اللہ ﷺ کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ جن کو آبادکاری کے اصول رسول کریم ﷺ نے سکھلائے۔ جنہیں آپس میں ملنے جلنے اور برتاؤ کے اسالیب رحمتِ عالم ﷺ نے بتلائے۔ یہ وہی معاشرہ ہے جو مدینہ طیبہ میں سید الانبیا ﷺ نے ترتیب دیا۔ اس معاشرے کی بنیاد جہاں راسخ افکار پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی وہاں عملی زندگی میں رویوں کی خوبصورت عکاسی کیلئے ان کو روشن ضمیری، تحمل، ایثار اور اعتدال پسندی جیسی صفات سے بھی متصف فرمایا۔

پس منظر

عرب کا علاقہ زیادہ تر صحرائی تھا۔ پیداوار کی قلت تھی۔ ذرائع آمدنی محدود تھے۔ زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی۔ جو دنیا کی ترقی سے بے خبر اور جنہیں حصول تعلیم کی بجائے زیادہ فکر پیٹ بھرنے کی رہتی تھی۔ جس کیلئے وہ چھین کر کھا لینے میں بھی کوئی حرج محسوس نہ کرتے تھے۔ بلکہ کسی کو لوٹنے اور قتل وغارت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے پر فخر کرتے۔ ایک دوسرے کو نسب کے طعنے دینا عام تھے۔ شاعر مخالف قبیلے کو اپنے اشعار کے ذریعے مطعون کرتا اور قبیلے کے جوان اپنی بہادری کی سند حاصل کرنے کیلئے دوسرے قبیلے والوں کا خون بہانے کیلئے بے چین رہتے۔ حافظ ابن اثیر نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسی وجہ سے عرب کی سرزمین پر اسلام سے قبل بے شمار چھوٹی موٹی اور بڑی لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (۱)

ان حالات کی وجہ سے اہل عرب میں جاہلانہ تعصبات خوب فروغ پا چکے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنا چھوڑ رہے تھے۔ اپنے قبیلے اور دھڑے سے انتہا درجے کی وفاداری اور بلا سوچے سمجھے فریق مخالف پر چڑھ دوڑنا ان کا شعار تھا۔ قرآن کریم نے ان کے اس طرز عمل کو تنگ نظری قرار دیتے ہوئے ایسے انداز زندگی کو جاہلانہ ہٹ دھرمی کا طریقہ قرار دیا۔ (۲)

جاہلانہ تعصبات نے عربوں کو روشن خیالی کے وصف کی بجائے تنگ نظر بنا دیا تھا۔ آوارہ پھرتے رہنا اور شاعری پر مسلسل توجہ دینے کی وجہ سے وہ عربی زبان کو بلیغانہ پیرائے میں اتنی مہارت سے استعمال کرتے کہ یہی چیز ان کے ہاں باعث فخر بن گئی اور وہ قوتِ لسانی کی بناء پر اپنے آپ کو ''عرب،، یعنی بولنے والے اور باقی پوری دنیا کو حقارت سے ''عجم،، یعنی گونگا سمجھتے تھے۔

عربوں کی یہ تنگ نظری صرف غیر اقوام کے معاملے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عرب کے بعض قبائل اپنے آپ کو دیگر قبائل سے برتر اور اعلیٰ تصور کرتے اور دوسرے قبیلے کے لوگوں کو نیچا دیکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ عرب کے ممتاز قبائل میں سے قریش کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور قریش کی سوچ یہ تھی کہ جب دوسرے قبائل کے لوگ بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے آئیں تو وہ کسی قرشی کا لباس مانگ کر پہنیں پھر بیت اللہ کا طواف کریں وگرنہ ننگے بدن کعبہ کے چکر لگائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تب آپ نے حکماً اس مکروہ سوچ اور برے رویے پر مستقل پابندی عائد کی۔ (۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکہ عرب کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں کا معاشرہ بھی رویوں کے اعتبار سے تیزی کے ساتھ زوال پذیر تھا۔ رواداری اور معتدل رجحانات کو فروغ دینے کی بجائے یہاں کے لوگ انتہا پسندی کے ساتھ زبردستی عدمِ توازن قائم رکھے ہوئے تھے۔ بے کس اور غریبوں کی حالت نہایت قابلِ رحم تھی اور غلاموں کو تو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ سرورِ کائنات ﷺ کی دعوت میں چونکہ برابری کا اصول تھا اور تمام لوگوں کے حقوق کے تحفظ کا سبق تھا، اسی وجہ سے مکے کے بہت سے کافروں کے ایمان قبول کرنے میں اسلام کی برابری اور اعتدال کی تعلیمات بھی حائل تھیں۔ جس پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تلقین قرآن کریم نے سورہ عبس میں شفیع المذنبین ﷺ کو کی ہے۔ (۴)

الغرض احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل کا دور تنگ نظری، انتہا پسندی اور معاشرتی عدمِ توازن کا دور تھا۔ جہاں مختلف گروہوں کے درمیان رواداری مفقود تھی۔ تعلیم سے دوری اور جاہلانہ تعصّبات نے ان کو منفی انداز سے سوچنے کا عادی بنا دیا تھا۔ بایں وجہ قرآن عربوں کے ماضی کو دورِ جاہلیت قرار دیتا ہے۔

عہدِ رسالت ﷺ اور معاشرتی ارتقاء

جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو انہیں ٹھوس اور واضح عقائد عطا فرمائے۔ عبادت اور توبہ کے طریقے سکھلائے۔ نیز اللہ کریم نے زندگی گزارنے کیلئے رہنمائی کا بندوبست فرمایا۔ ان کی طرف وحی کا سلسلہ جاری کیا۔ یوں دنیا پر آنے والا پہلا انسان نہ صرف خود صاحبِ علم وفضل تھا بلکہ ان علوم ومعارف کو عام کرنے کا ذمہ دار بھی تھا۔

جہاں تک عقائد ونظریات کا معاملہ ہے تمام انبیاء کرام اس میں پوری طرح ہم آہنگ تھے اور ان کے نظریات میں ہمیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا، لیکن زندگی گزارنے کیلئے جو شریعت نازل ہوئی اس میں ہر نبی کو دیئے جانے والے احکام دوسرے نبی کی شریعت سے قدرے مختلف محسوس ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زمین پر انسان آباد ہوا اور دنیا کے بارے اس کا شعور آہستہ آہستہ بڑھا اور ہر آنیوالی نسل گزشتہ نسل سے قدرے تبدیلی کا سامنا کرتی رہی اور نئے حالات کے تقاضوں کے تحت شریعت میں تبدیلی ہوتی رہی اور نئے احکام آتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب انسان اس قابل ہو گیا کہ ارتقائی مراحل کے اعلیٰ درجے کو پہنچ سکے۔ تب رب اللعالمین نے شریعت کی تکمیل کیلئے رحمۃ للعالمین کو بھیجا۔

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا،، (۵)

(آج کے دن میں تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا)

رسول عربی ﷺ کو شریعت آہستہ آہستہ مختلف مراحل میں دی گئی- درجہ بدرجہ احکام میں تبدیلی آتی رہی- یوں تقریباً بائیس برس اور چند ماہ میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدی ﷺ کے افراد کو ارتقائی مراحل سے گزار کر نویں ذوالحجہ کو میدان عرفات میں شریعت کی تکمیل کا مژدا جانفزا سنایا جو کہ یقیناً کئی پہلوؤں سے ہمارے لئے اعزاز کی بات ہے-

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شافع محشر علیہ السلام نے کون سا طریقہ استعمال کیا کہ صحابہ کرامؓ کے اذھان تبدیلی کو قبول کرنے والے بن گئے- وہ ہر نئی بات پر اعتراض نہ کرتے- پرانے معاملے کے ختم ہونے پر احتجاج نہ کرتے- جب بھی کوئی تازہ حکم پہلے سے مختلف موصول ہوتا، وہ چون چرا کیے بغیر تعمیل کے لئے فوری تیار ہو جاتے- رسول عربی ﷺ کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کیلئے تعلیم عام کرنے کا طریقہ اپنایا- جس سے لوگوں کا طرز حیات بدلا اور اس سے پہلے ان کی سوچ بدلی اور سوچ کا بدلنا ہی دراصل آپ ﷺ کا بڑا کارنامہ ہے-

رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اگر تیئس برس کا عرصہ دور نبوت و رسالت کا ہے تو اتنا ہی عرصہ آپ کا بطور معلم اور استاذ کا ہے- پہلی وحی سے ہی آپ ﷺ کو علم کی اہمیت سے آگاہ کر دیا گیا تھا- اللہ ذوالجلال نے اپنا تعارف قلم کے ساتھ تعلیم دینے والے کی حیثیت سے کروایا تھا-

"اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَم" (۶)

(پڑھ اور تیرا رب بڑی عزت والا ہے- جس نے قلم کے ساتھ تعلیم دی)

سید الانبیاء کی تعلیمی تحریک ذہنوں کو روشن اور قلوب کو منور کرنے کیلئے تھی- اسی لئے قرآن کریم کی سرسری تلاوت کرنے کی بجائے اس میں فکر و تدبر کی ترغیب دی گئی- دین سیکھنے والے لوگوں کو بہترین قرار دیا گیا- خود قرآن مجید آپ ﷺ کی معلمانہ اور مبلغانہ کاوشوں کا مقصد جہالت کا خاتمہ بتایا ہے-

"یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْن" (۷)

(وہ ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک قرار دیتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

ضلال مبین یعنی دور جاہلیت کا تذکرہ اہل ایمان کے ناپسندیدہ ماضی کا تذکرہ ہے- اور اس جاہلیت کے ازالے کیلئے آپ ﷺ کی تگ و دو اور طریقہ کار کو تعلیم کتاب وحکمت سے عیاں کیا گیا ہے-

اگرچہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سناتے اور دین سکھلاتے لیکن اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوصف تحریر سے نا آشنا معاشرے کو بنیادی تعلیمی مہارتیں سکھانے کی طرف بھی آپ ﷺ نے بھرپور توجہ دی- بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے جو معاہدہ کیا وہ اسی امر کی شہادت ہے- صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں کہ قیدیوں کی آزادی کیلئے فدیہ کی مقدار چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی- اہل مکہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جبکہ اہل مدینہ اس سے واقف نہ تھے- اس لئے یہ بھی طے کیا گیا کہ جس قیدی کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینے کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے- جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی اس کا فدیہ ہوگا (۸) الغرض سید المرسلین ﷺ نے تعلیم عام کر کے عربوں کو جہالت اور تنگ نظری سے نکال کر روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ بنا دیا-

اعتدال پسند مدنی معاشرہ

معلم انسانیت علیہ السلام نے افراط و تفریط سے پاک، معتدل رویے اور متوازن رجحانات تشکیل دیے- آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبہ میں انتہا پسندی کی نفی کی- اسلام سے قبل دنیاداری کو روحانیت سے متصادم سمجھا جاتا تھا- کچھ صحابہ کرامؓ نے سوچا کیوں نہ ہم اپنے آپ کو عبادت کیلئے وقف کر دیں اور ازدواجی زندگی وغیرہ کو ترک کر دیں- انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس اس جذبے کا اظہار کیا- جب رسول کریم ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے اس ارادے کو سخت ناپسند فرمایا اور فرمایا ''نکاح کرنا میری سنت ہے- جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ ہم میں سے نہیں ہے،، (۹) اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، لیکن قرآن مجید اس معاملے میں افراط و تفریط کے انداز اپنانے سے روکتا ہے- حکم دیا گیا ہے کہ اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں مت دو ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم لوگوں سے مانگتے پھرو- اسی طرح کنجوسی کی بھی مذمت کی گئی ہے- (۱۰) یمن کے لوگ بہت متقی تھے- حج کیلئے نکلتے تو اللہ پر توکل کر لیتے اور زادراہ نہ لیتے- اللہ تعالیٰ نے انہیں اسباب کا بندوبست کیے بغیر توکل کرنے سے منع کر دیا اور زادراہ لینے کی تلقین کی- (۱۱) حج کے موقع پر ہی، جب اہل ایمان جمرات کو کنکریاں مارنے کیلئے جمع تھے- آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ بڑی بڑی کنکریاں یا پتھر کے ٹکڑے اٹھائے ہوئے ہیں اور جمرات کو مارنا چاہتے ہیں- اس موقع پر خاتم النبیین علیہ السلام نے فرمایا:

> ''ایاکم والغلوفی الدین فانما اھلک من کان قبلکم الغلوفی الدین،، (۱۲)
>
> (دین میں حد سے بڑھ جانے سے بچو بے شک دین میں حد سے بڑھ جانے، نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر آپ ﷺ نے باقاعدہ وضاحت کی کہ چنے کے دانے کے برابر کنکریاں ماری جائیں۔
اگرچہ انتہاپسندی سے ممانعت کی یہ چند امثلہ ہیں۔لیکن بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مکی مدنی معاشرے کے ہر معاملے میں اصول اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسی مستقل وصف کی بنا پر ہی اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس امت کو ''امۃ وسطا''، یعنی میانہ روامت قرار دیا ہے۔(۱۳)

مذکورہ بالا شواہد کے تجزیے سے دوسرا اہم نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ معاملات اگرچہ نیک نیتی اور بھلائی کے ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی انتہاپسندی بری بات ہے چہ جائیکہ عام معمولات زندگی۔ گویا انتہاپسندی ہر معاملے میں صرف منفی اثرات ہی مرتب کرتی ہے۔

مدنی معاشرے کا اصول تھا، جیو اور جینے دو۔جس طرح اہل اسلام اپنی عبادات کو ادا کرنے اور شعائر اسلام کے احترام میں آزاد تھے، اسی طرح انہوں نے اہل کفر کو بھی حتی الامکان مذہبی آزادی دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔رسول مقبول ﷺ کے پاس جب نجران کے عیسائی آئے اور ان کی عبادت کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے وسعت ظرفی کے ساتھ انہیں مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی۔(۱۴) نیز قرآن کریم نے اہل کتاب کو یہ بھی کہا کہ اگرچہ تم اپنے عقیدے پر رہو مگر ہمارے ساتھ ایک مشترکہ اصول یعنی توحید پر ہی اکٹھے ہو جاؤ۔(۱۵) مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ نے اہل مدینہ کے ساتھ تاریخ ساز معاہدہ کیا جس کی ایک اہم شق یہ بھی تھی کہ مسلمان، یہودی اور عیسائی اپنے مذہبی معاملات کی ادائیگی میں آزاد ہوں گے اور اہل مدینہ اس معاملے میں کسی دوسرے پر معترض نہیں ہوں گے۔(۱۶) آپ ﷺ کی یہی فراخدلانہ سوچ تھی جس کے تحت آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر بظاہر بہت نرم شرائط پر مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کر لی۔حالانکہ صحابہ کرامؓ خصوصاً سیدنا عمرؓ اس موقع پر افسردہ بھی تھے۔(۱۷) رسول کریم ﷺ دشمنوں سے بھی حسن سلوک فرماتے۔عبداللہ بن ابی کے طلب کرنے پر آپ ﷺ نے اس کی وفات پر اپنا کرتہ بھیجا جس میں اسے دفنایا گیا۔نیز باوجود بعض صحابہ کرامؓ کے ناپسند کرنے کے آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی حالانکہ اس کا نفاق پوری طرح کھل چکا تھا(۱۸) قرآن کریم اہل اسلام کو تلقین کرتا ہے کہ جب تم اللہ کے راستے میں جہاد کیلئے نکلو، تو جس طرح تم نے مسجدوں کا تحفظ کرنا ہے اسی طرح دیگر اقوام کی عبادت گاہوں کا تحفظ اور احترام برقرار رکھنا ہے۔(۱۹) معلوم ہوا کہ رحمتِ عالم ﷺ اپنے دشمنوں کے معاملے میں بھی کبھی انتہاپسند واقع نہ ہوئے تھے۔دشمنی میں کبھی حد اعتدال کو پار نہیں کیا۔جس شخص کا اپنے مخالفوں سے یہ رویہ ہو، اندازہ لگائیں کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کا مشفقانہ سلوک کیسا ہوگا اور اس نے ان کی کردار سازی کرتے ہوئے انہیں میانہ روی کے کون سے اسلوب نہ سکھائے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید البشر علیہ السلام نے اپنی امت کو وسعت ظرفی کا درس دیا۔ اسے اختلاف رائے برداشت کرنے کا عملی سبق دیا۔ اگرچہ آپ ﷺ نبی تھے۔ آپ کے حکم سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن حکم الٰہی کے مطابق آپ پھر بھی اہم معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے اور اگر کبھی صحابہ کی رائے آپ سے مختلف ہوتی تو آپ ﷺ اپنی رائے چھوڑ کر انہیں کی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ یوں نہ صرف انہیں آزادی اظہار کی مکمل اجازت دیتے بلکہ ان کے اختلاف رائے کو اہمیت بھی دیتے۔ غزوہ بدر میں آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا مگر جب حباب بن منذرؓ نے اس جگہ کو نامناسب قرار دیا اور چشمے کے اوپر قبضہ کر کے پڑاؤ ڈالنے کی رائے دی تو آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول کرلیا۔ غزوہ احد میں آپ ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر لڑیں لیکن اکثر ساتھیوں کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے تب بھی انہی کی مانی۔ جنگ احزاب میں آپ ﷺ نے جناب سلمان فارسیؓ کی رائے مطابق آپ ﷺ نے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ (۲۰) اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دور میں لوگ آزادی سے مشورہ دیتے، اختلاف رائے کرتے اور آپ ﷺ کثرت رائے کا احترام فرماتے اور ہر دانشمندانہ تجویز کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ صحابہ کرامؓ کی تربیت آپ ﷺ نے اسی نہج پر کی، یہی وجہ ہے کہ ان کو معاملات میں رائے دینا اور اختلاف رائے برداشت کرنا آ گیا۔ وہ اپنے بڑے بڑے اور پیچیدہ معاملات بھی بخیر و عافیت طے کر لیتے۔ جب ہمیں سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے معاملے میں انتہا درجے کا اختلاف رائے نظر آتا ہے، تو یہ بھی نظر آتا ہے کہ رائے دینے والوں نے دوسروں کی بات کو نا صرف توجہ سے سنا بلکہ دلیل آنے کے بعد ان کا اختلاف رائے فوراً ختم ہوگیا اور وہ آپس میں پہلے سے زیادہ شیر و شکر بن گئے۔ (۲۱) یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی تربیت کا ہی تو اثر تھا۔

اختلاف رائے کی اجازت اپنی جگہ لیکن رسول کریم ﷺ نے اہل ایمان کو اسلامی اخوت کے رشتے میں پرو کر جسد واحد کی طرح بنا دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے گروہ بندیوں اور جتھہ بندیوں کا خیال تک دل سے نکال دیا تھا کیونکہ قرآن کریم میں انہیں یہی حکم تھا۔

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' (۲۲)

(اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ مت ہو)

فرقہ بنتا ہی تب ہے جب اس کا مرکز سے تعلق کمزور ہو جائے اور اللہ ذوالجلال اس تعلق کی کمزوری کو پسند نہیں کرتا۔ اسے مضبوط رکھنے کیلئے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتا ہے۔ لہذا اہل ایمان کسی معاملے میں باہم علمی واجتہادی اختلاف تو کر سکتے ہیں لیکن اس اختلاف کی وجہ سے اپنا الگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے فرقہ بنانے کی اجازت نہیں ہے- نیز اوپر دی گئی صراحت سے معلوم ہوا کہ رسول عربی اپنے مخالفوں کو کس حد تک برداشت کرتے تھے تو ہمیں اپنے اختلاف کے باوجود اپنے کلمہ گو بھائی پر کفر و شرک اور بدعت کا فتویٰ لگانے میں جلدی کرنے کی اجازت کس طرح مل سکتی ہے؟

تازگی کا احساس

خوش گوار زندگی بسر کرنا سنت رسول ﷺ ہے- رسول کریم ﷺ گھر میں ہوتے یا بیرون خانہ احباب میں، آپ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی شخص اور نہ تھا- جھوٹ تو ہرگز نہ بولتے لیکن گفتگو کے دوران مخاطب کی جھجک زائل کرنے کیلئے ہلکا پھلکا مزاح کر لیتے- آپ ﷺ کی محفل میں کوئی اکتاہٹ محسوس نہ کرتا- یہ صرف آپ کا ذاتی کردار نہ تھا بلکہ جو تعلیمات آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دیں اور جو طریقہ زندگی ان میں متعارف کروایا وہ تنگ نظری اور گھٹن کی بجائے زندگی کی بھرپور تازگی کا احساس لئے ہوئے تھا-

رسول اللہ ﷺ باغوں میں بیٹھنا پسند فرماتے- کبھی اکیلے اور کبھی مع احباب آپ ﷺ کسی باغ میں تشریف لے جاتے اور وہاں جو کچھ میسر آتا اسے تناول بھی فرماتے- جن خوش نصیبوں کے باغ میں آپ ﷺ جاتے، ان میں ایک سیدنا جابرؓ بھی ہیں (۲۳) مدنی دور میں آپ ﷺ کو ساتھیوں کے ہمراہ اکثر سفر پر رہنا ہوتا اور یہ سفر بذات خود ایک دلچسپ سرگرمی ہوتا- دوران سفر آپ ﷺ نے شادیاں کیں اور دوران سفر ہی ولیمہ کی دعوت بھی کی- (۲۴) ایک دفعہ سفر میں آپ ﷺ پیلو کے درختوں کے پاس سے گزر رہے- صحابہ پیلو کے پھل چننے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان میں کالے رنگ کے چنو- وہ زیادہ اچھے ہوتے ہیں (۲۵) یعنی صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کی دلچسپیوں میں شرکت فرمائی- جب قافلہ چلتا تو قافلے کو تیز چلانے کیلئے اور اونٹوں کی رفتار بڑھانے کیلئے کچھ صحابہ کرامؓ گانا گاتے، جس کو حدی خوانی کہتے ہیں- سید المرسلین ﷺ کے حدی خوانوں میں جن صحابہؓ کے نام ملتے ہیں، ان میں عبداللہ بن رواحہ، انجشہ، عامر بن الاکوع اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنھم شامل ہیں- (۲۶) ٹھنڈی ہوا اور بارش نبی رحمت ﷺ کو پسند تھے- سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آپ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ بارش شروع ہوگئی تو آپ ﷺ نے اپنے بدن کا اوپری حصہ کھول دیا اور بارش کے چھینٹے اپنے جسد اطہر پر وصول کرنے لگے- ہم نے عرض کی، اللہ کے رسول ایسا کیوں کر رہے ہیں، تو فرمایا: اس لئے کہ یہ بارش ابھی ابھی اپنے رب کی طرف سے آئی ہے- (۲۷)

دشمن سے مقابلے کے وقت مجاہدین نہ صرف مطمئن ہوتے بلکہ سج سنور کر، تیار ہو کر نکلتے- سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ جب نواسہ رسول حضرت حسینؓ کا سر عبداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے اپنے بال رنگے ہوئے تھے- (۲۸) جناب ابودجانہؓ کے بارے میں ہے کہ وہ جنگ احد میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر پر سرخ رومال باندھے اکڑے ہوئے چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے مگر اس موقع پر نہیں۔ (۲۹)

خواتین کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ عہد رسالت میں خواتین زندگی کی دلچسپیوں میں بھرپور انداز سے شریک ہوتیں اور ایسی دلچسپ سرگرمیاں اختیار کرتیں جو نسوانیت کے منافی نہ تھیں۔ سیدنا جابر نے بیوہ سے شادی کی تو فرمایا، کنواری سے کیوں نہ کی۔ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔ (۳۰) مباشرتی عمل میں لذت وتسکین کو شریعت نے عورت کا حق تسلیم کیا ہے۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کا یہ حق پورا نہیں کر سکتا تو عورت کو اجازت ہے کہ وہ ایسے خاوند سے خلع حاصل کر لے۔ (۳۱) نیز شریعت میں سجنا سنوارنا عورت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ عورت چاہے تو بوقت ضرورت زیورات وغیرہ ادھار لے کر بھی زیب وزینت اختیار کر سکتی ہے۔ (۳۲)

عہد نبوی ﷺ میں خواتین صرف گھر کی چار دیواری تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ تحفظات کے ساتھ گھر کے باہر بھی حسب ضرورت جسمانی سرگرمیوں اختیار کر لیتی تھیں۔ امام ابوداؤد نقل کرتے ہیں کہ خاتم النبیین علیہ السلام نے سیدہ عائشہؓ کے ساتھ دو دفعہ باہر کھلی جگہ میں دوڑ لگائی۔ ایک دفعہ عائشہ سبقت لے گئیں جبکہ دوسری دفعہ رسول اللہ ﷺ آگے نکل گئے۔ (۳۳) مدینہ منورہ کے اندر یا نواح میں اگر سیر کیلئے جانا ہوتا تو عورتیں مل کر بھی چلی جاتیں اور اگر باہر جانا ہوتا تو محرم کے ساتھ سفر کرتیں۔ سیدہ عائشہؓ گھر سے باہر جاتیں تو ام مسطحؓ کو ساتھ لے جاتیں۔ (۳۴) یہ بھی مذکورہ ہے کہ جب مسجد نبوی میں جنگی نمائش کا اہتمام کیا گیا تو دیکھنے والوں میں سیدہ عائشہ بھی شامل تھیں۔ حالانکہ ان جنگی کرتبوں کو مرد پیش کر رہے تھے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اگر مقصود مردوں کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ ان کے کرتب وغیرہ دیکھنا ہے تو عورتیں بھی انہیں دیکھ سکتی ہیں۔ (۳۵) اگرچہ کھلونے اور گڑیا سے کھیلنا چھوٹی عمر کی بچیوں کا مشغلہ تھا۔ لیکن سیدہ عائشہؓ شادی شدہ خاتون تھی اور رخصت ہو کر اپنے خاوند کے گھر آ چکی تھیں۔ ان کی ہم جولیاں آتیں اور وہ ان کے ساتھ مل کر کھیلتیں۔ معلوم ہوا کہ یہ مشغلہ بالغ عورتوں کیلئے بھی ممنوع نہ تھا (۳۶) نیز سیدہ فرماتی ہیں کہ جب میری رخصتی کا وقت آیا تو میں اپنی سہیلیوں کے ہمراہ جھولے جھول رہی تھی۔ (۳۷) گویا بچیوں کی طرح اگر جوان عورت شرم وحیا کو مدنظر رکھ کر جھولا جھول لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس طرح کے مزید شواھد کثرت کے ساتھ ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ دور رسالت ﷺ میں خواتین سماجی مشاغل میں دلچسپی کے ساتھ شرکت کرتیں اور زندگی کی لذتوں کے اوپر ان کا حق کسی طرح مردوں سے کم نہ تھا۔ سیرت طیبہ کا یہ پہلو واضح کرتا ہے کہ آپ نے جو معاشرہ ترتیب دیا اس میں گھٹن نام کو نہیں تھی بلکہ مدنی ماحول میں ایک خوش گوار فرحت اور تازگی کا احساس تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت طیبہ میں جدت قبول کرنے کا تصور

تعصب اور ضد عربوں کے مزاج میں راسخ ہو چکے تھے۔ عموماً غیر جانبداری سے معاملے کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا تجزیہ نہ کرتے۔ جو روایت باپ دادا سے چلی آتی اسی کو حرفِ آخر سمجھتے۔ رسول کریم ﷺ کا ان کے ساتھ اس معاملے میں بھی اختلاف تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے واضح کیا کہ تم دلائل و براھین کی روشنی میں پرکھ کر فیصلہ کرنا سیکھو، ضروری نہیں کہ باپ دادا کے تمام طور طریقے بالکل درست ہی ہوں۔ قرآن کریم ان کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکالمے کو اس طرح واضح کرتا ہے:

''قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ،، (۳۸)

(وہ بولے بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ واجداد کو پایا۔ اگرچہ ان کے آباؤ واجداد کسی چیز کی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں)

اس کے برعکس رب ذوالجلال نے اہل ایمان کو تحقیق کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ انہیں علوم کونی (سائنسی علوم) کے حصول کی طرف راغب کیا۔ انہیں زمین، آسمان اور مظاہرِ فطرت میں غور و فکر کرنے پر ابھارا۔ اہل عقل اور اولی الالباب کی اصطلاحیں استعمال کر کے ان میں شامل ہونے کی راہ دکھلائی۔ سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے قصے سے واضح کیا کہ ایمان لانے کے بعد تجربہ کرنا ایمان میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ (۳۹) قرآن مجید نے کہا کہ جسے دانائی عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔ (۴۰) اور صادق و مصدوق علیہ السلام نے فرمایا:

''الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث ماوجدھا فھو احق بھا،، (۴۱)

(دانائی کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ وہ اسے جہاں بھی پالے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے)

اس حدیث میں دو اہم باتوں کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ پہلی بات حکمت کے حصول کی زبردست ترغیب ہے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد عقل و فکر کے نتیجے میں درست فیصلے تک پہنچنا ہے۔ (۴۲) گویا حدیث بالائی اشیاء اور امور پر غور و خوض کر کے حقیقت سمجھنے کی تلقین کرتی ہے۔ دوسرا قابل توجہ امر اس حدیث میں یہ ہے کہ حصولِ علم کیلئے مآخذ کی حد بندی ختم کر دی گئی ہے۔ یعنی قرآن و سنت کے سوا دیگر ذرائع علم سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ جیسے تکنیکی اور سائنسی علوم یا فکری اور ادبی کاوشیں، ذریعہ علم جو بھی ہو، مسلمان کو دانائی کے حصول میں کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدنی دور رسالت میں معاشی خوش حالی اور دولت کی فراوانی کی نسبت صبر وقناعت کے مظاہر زیادہ نظر آتے ہیں۔اور یہ دور مسلسل جنگوں میں مشغولیت کا بھی ہے۔فقر وفاقہ کے باوصف مجاہدینِ اسلام جہاد کیلئے رغبت سے اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔اگر چہ ان کے اوپر جذبہ غالب ہے لیکن اس کیفیت کے باوجود سیرتِ سرور عالم ﷺ سے واضح ہے کہ آپ نے ہمیشہ میدان جنگ میں جدید جنگی ٹیکنالوجی کے حصول اور اس کو روبعمل لانے کی سعی کی۔غزوہ احزاب میں جب عربوں کے ایک بڑے متحدہ لشکر کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو نبی دوعالم ﷺ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سیدنا سلمان فارسیؓ نے ایک ایسی دفاعی حکمت عملی کی تجویز پیش کی، جس کے بارے حملہ آور لشکر سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔آپؓ نے مدینہ میں محصور ہونے اور دشمن کے راستے میں خندق کھودنے کی تجویز دی، جو کہ اہل فارس کے ہاں ایک متداول دفاعی تدبیر تھی۔اس جدت کو مدنی لشکر کے سالار نے قبول کیا اور یہ تدبیر اتنی کارگر ہوئی کہ آخر کا حملہ آور جتھوں کو ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑا۔(۴۳)

غزوہ احزاب پر جدید جنگی ٹیکنالوجی استعمال کرنا صرف ایک مخصوص واقعہ اور حالات کا اضطرابی تقاضا نہ تھا بلکہ فن حرب وضرب میں جدت اختیار کرنا مدنی ریاست کی پالیسی میں شامل تھا۔ امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں کہ عید کے دن، جب سید البشر علیہ السلام عید کی نماز سے فارغ ہوئے تو میدان عید سے سیدھے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔وہاں صحابہ کرامؓ کا اجتماع تھا۔حبشی لوگ برچھیوں کے ساتھ اپنے علاقے کے فنون حرب وضرب پیش کر رہے تھے۔مردوں کے علاوہ دیکھنے والوں میں سیدہ عائشہؓ بھی شامل تھیں۔یوں عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں مسجد نبوی میں اہتمام کے ساتھ عوام کیلئے اس جنگی نمائش کا اہتمام کیا گیا۔(۴۴)

اس نمائش کے اہتمام کا ایک مقصد تو اہل مدینہ کے جہادی شوق میں اضافہ کرنا تھا۔دوسرا چونکہ مدینہ والے میدان جنگ میں برچھیوں کا استعمال کم جانتے تھے، اس لئے انہیں اہل حبش کی جنگی تکنیک سے متعارف کروانے کیلئے عید کے دن اس نمائش کا اہتمام کیا گیا۔

مدنی دور رسالت میں چونکہ غزوات کا سلسلہ نمایاں رہا اس لئے اسی حوالے سے شواہد پیش کیے گئے ہیں وگرنہ او پر گزر چکا ہے کہ قرآن مجید خود تحقیق وجستجو اور مظاہر فطرت کو استعمال کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔سیرت طیبہ کا یہ وہی پہلو ہے جس سے راہنمائی لے کر بعد ازاں اندلس و بغداد کے مسلم سائنس دانوں نے مادی علوم میں عظیم کارنامے سرانجام دیے۔

کفر سے دشمنی کی حدود

موجودہ دور میں علوم وفنون پر اہل کفر کا تسلط ہے۔جدید ایجادات کا سہرا زیادہ تر ان ہی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرہے۔دنیا کے لوگ زندگی کے ہر میدان میں اہل مغرب کی اقتداء کررہے ہیں جبکہ اہل اسلام بہت سی جدید اشیاء اور نئے رجحانات اپنانے کیلئے محض اس لئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں کہ کہیں اس طرح ان کی کفر سے دشمنی میں کمی واقع نہ ہو جائے۔لہذا جدت قبول کرنے میں اس اہم فکری رکاوٹ کا جامع مانع جائزہ پیش خدمت ہے۔

قرآن کریم نے بالکل واضح کہا ہے کہ اہل کفر کبھی بھی اہل ایمان کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتے اور اہل اسلام کو ان پر اعتماد کرنے سے منع کیا گیا ہے:

''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْ الاتَتَّخِذُوْ ابِطَانَۃًمِنْ دُوْنِکُمْ لَایَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا،،(۴۵)

(اے ایمان والو غیروں کو دلی دوست نہ بناؤ۔وہ تم سے دشمنی میں کمی نہ کریں گے)

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنا ذہنی رویہ درست رکھے۔اہل کفر کی دوستی پر فخر نہ کرے۔ان کی چمک دمک اور دنیاوی ترقی کو دیکھ کر مرعوب نہ ہو اور اس ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے وہ کافروں کے طور طریقوں کو اپنانا شروع نہ کرے۔اگر کوئی شخص اہل کفر کی نقالی میں رغبت رکھتا ہو اور ان کے کلچر کی حمایت کرے اگرچہ ان کے انداز واطوار اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔مگر وہ شخص کفر سے مختص علامات (شعائر) کو اپنا کر ان کی توجیہہ کرے۔نیز کفر سے متصادم اسلامی تعلیمات کی تاویل کرنے کی تلاش میں ہو اور پھر اپنی ذہنی مرعوبیت کو وہ روشن خیالی یا اعتدال پسندی سمجھے تو یہ غلط ہوگا۔یہ روشن خیالی نہیں بلکہ ایمان کی کمزوری ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من تشبہ بقوم فھو منھم،،(۴۶)

(جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہیں میں سے ہوگا)

اس حدیث کی روشنی میں جمہور اہل علم نے مسلمانوں کی اہل کفر سے مشابہت کو حرام قرار دیا ہے اور اس فعل کو کفر قرار دیا ہے۔جیسا کہ حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔(۴۷) لیکن اس بحث میں اہم نکتہ یہ ہے کہ کفار سے مشابہت کن معاملات میں حرام ہے؟ اہل علم کا ایک گروہ ایسا ہے جو اسے مطلق حرام قرار دیتا ہے کہ ہر وہ امر جو کفار کے ساتھ مختص ہو اس میں ان کی مشابہت سے اجتناب لازم ہے۔ابن تیمیہؒ اور عصر حاضر کے بہت سے حنفی علماء بھی اسی خیال کے حامل ہیں۔(۴۸) جبکہ زیادہ تر اہل علم نے حدیث کا مصداق انسان کی ظاہری حالت، وضع قطع اور لباس کو ٹھہرایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیث بالا کو محدثین کتاب اللباس میں ذکر کرتے ہیں اور فقہاء کے اقوال بھی زیادہ تر لباس میں اہل کفر کی مشابہت کے حوالے سے ہیں۔(۴۹) مزید یہ کہ کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ وہ اہل کفر کی مشابہت کا مرتکب ہوا ہے کہ نہیں، فقہاء نے اس معاملے میں چند شرائط کا تعین کیا ہے۔

۱۔ وہ شخص یہ فعل بلادِ اسلامیہ میں کرے نہ کہ دار الحرب میں، کیونکہ امکان ہے کہ وہ دار الکفر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مجبور ہو یا حالت خوف میں ایسا کر رہا ہو۔(۵۰)

۲۔ وہ شخص بغیر ضرورت کے ایسا کرے۔ کیونکہ کبھی شدید ضرورت سے مشابہت اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔(۵۱)

۳۔ مشابہت کا حکم ان امور میں معتبر ہے جو کہ اہل کفر سے مختص ہوں اور ان کی پہچان بن چکے ہوں۔ وہ امور جو فطرتاً انسان ہونے کے ناطے یا بنیادی ضرورت ہونے کی بناء پر تمام بنی آدم میں یکساں ہوتے ہیں، وہ ارتکاب تشبہ کے دائرے میں نہیں آتے۔(۵۲)

۴۔ اگر کوئی شخص فقط ہنسی مزاح کیلئے، عارضی طور پر اہل کفر کی سی حالت اپنائے گا۔ اگرچہ یہ بات بھی معیوب ہے مگر ایسا کرنے سے وہ دائرہ کفر میں داخل نہ ہوگا۔

۵۔ امورِ خیر جو تمام بنی آدم کے ہاں پسندیدہ ہیں مثلاً تعلیمی ترقی، اخلاقیات، اچھا کردار وغیرہ ان کو کسی ایک قوم کی خاص شناخت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایسے امور میں مشابہت اختیار کرنا ناجائز نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ دانائی کی بات جہاں سے بھی ملے، مومن اس کا زیادہ حق دار ہے۔(۵۳)

نتیجہ بحث یہ کہ اگر ہم اہل کفر کی نقالی بلا سوچے سمجھے کرتے جائیں اور اس ضمن میں ان کی مذہبی شناختوں کو اپناتے جائیں اور ان کے افعال و اعمال کو تنقیدی نظر سے دیکھنا گوارا نہ کریں تو واقعی معیوب بات ہے لیکن اگر معاملہ ان سے علمی استفادے کا ہے، اچھے اخلاقیات اور بہترین اصولوں کو اخذ کرنے کا ہے، تو یہ کفر سے محبت نہیں بلکہ اسلامی شریعت کی روشنی میں علم کی تلاش کا معاملہ ہے جو کہ پسندیدہ امر ہے۔

نتائج

سیرت طیبہ کا مذکورہ پہلو ہمیں درج ذیل نتائج کی طرف راہنمائی کرتا ہے:

۱۔ اسلام سے قبل معاشرے میں تنگ نظری اور گھٹن تھی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے تعلیم عام کر کے سابقہ معاشرتی رجحانات کو تبدیل کیا۔

۳۔ آپ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ انتہا پسندی سے پاک تھا۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل کفر کی خوبیاں بھی قبول فرمائیں۔

۵۔ آپ ﷺ نے ہر مفید اور جدید علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

۶۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اختلاف رائے برداشت کرنے کا سبق دیا۔

۷۔ اہل کفر سے مرعوبیت اور ان کی دوستی پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔

۸۔ دنیا کی جدید تعلیمی ترقی سے غافل رہنا درست نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ ابن اثیر، علی بن محمد حافظ ''الکامل فی التاریخ،، ج ۱، ص ۵۰۲ (دار صادر بیروت)

۲۔ القرآن: الفتح: ۲۶

۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل ''الجامع الصحیح،، کتاب المناسک، باب لا یطوف بالبیب عریان......الخ، حدیث نمبر ۱۶۲۲-۳/۴۸۳، دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

۴۔ القرآن: عبس: ۱۰-۱

۵۔ القرآن: المائدہ: ۳

۶۔ القرآن: العلق: ۵-۳

۷۔ القرآن: آل عمران: ۱۶۴

۸۔ مبارکپوری، صفی الرحمٰن ''الرحیق المختوم (اردو) ص ۳۱۴ (المکتبہ السّلفیہ، لاہور)

۹۔ مسلم بن حجاج، القشیری ''الجامع الصحیح،، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح ص ۱/۴۴۹ (قدیمی کتب خانہ، کراچی)

۱۰۔ القرآن: الاسراء: ۲۹

۱۱۔ القرآن: البقرہ: ۱۹۷

۱۲۔ نسائی، احمد بن شعیب ''السنن،، کتاب المناسک الحج، باب التقاۃ الحصی ۲/۴۲ (مکتبہ السّلفیہ، لاہور)

۱۳۔ القرآن: البقرہ: ۱۴۳

۱۴۔ حافظ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر ''تفسیر القرآن العظیم (اردو) تفسیر آل عمران: ۶۳، پ ۳ ص ۱/۲۷ (اصح المطابع آرام باغ، کراچی)

۱۵۔ القرآن: آل عمران: ۶۴

۱۶۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری ''الرحیق المختوم،، ص ۲۶۳

۱۷۔ ابن قیم الجوزی، محمد بن ابی بکر'' زاد المعاد فی ھدی خیر العباد،، ص ۳/۲۶۲ (موسسۃ الرسالہ، بیروت)

۱۸۔ حافظ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (اردو)، تفسیر آیت توبہ: پ ۱۰، ص ۳/۸۶

۱۹۔ القرآن: الحج: ۴۰

۲۰۔ ابن قیم الجوزی'' زاد المعاد،، ص ۳/۲۴۲، ۳، ۱۵۶،۱۷

۲۱۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن'' تاریخ الخلفاء،، ص ۶۸-۶۷ (میر محمد کتب خانہ، کراچی)

۲۲۔ القرآن: آل عمران: ۱۰۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۳۔ بخاری ''الجامع الصحیح،، کتاب الاطمہ،، باب الرطب والتمبر ......الخ، حدیث نمبر ۵۴۴۳، ص ۹/ ۵۶۶

۲۴۔ بخاری، ایضاً،، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث نمبر ۴۲۰۰، ص ۵/ ۴۱۹

۲۵۔ مسلم ''الجامع الصحیح،، کتاب الاشربہ، باب فضیلۃ الاسود من الکباث، حدیث نمبر ۵۲۳۲، ص ۲/ ۱۸۲

۲۶۔ ابن قیم الجوزی ''زاد المعاد،، ص ۱/ ۱۲۴

۲۷۔ مسلم ''الجامع الصحیح،، کتاب صلوۃ الاستقاء، فصل فی الخوف برویۃ الریح ......الخ، ص ۱/ ۲۹۴

۲۸۔ بخاری ''الجامع الصحیح،، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب الحسن والحسین، حدیث نمبر ۳۷۴۸، ص ۷/ ۹۴

۲۹۔ حافظ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر ''البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ،، ص ۴/ ۱۵ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

۳۰۔ بخاری ''الجامع الصحیح،، کتاب النکاح،، باب تزویج الثیبات، حدیث نمبر ۵۰۹۷، ص ۹/ ۱۲۱

۳۱۔ مسلم ''الصحیح،، کتاب النکاح، باب لاتحل المطلقہ الثلاثۃ ......الخ، ص ۱/ ۴۶۳

۳۲۔ بخاری، الجامع الصحیح،، کتاب اللباس، باب استعارۃ القلائد، حدیث نمبر ۵۸۸۲، ص ۱۰/ ۳۳۱

۳۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث ''السنن،، کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، ص ۲/ ۳۳۴
(مع عون المعبود، نشر السنہ، ملتان)

۳۴۔ بخاری ''الجامع الصحیح،، کتاب التفسیر، باب قولہ لولا اذ سمعتموہ ......الخ، حدیث نمبر ۴۷۵۰، ص ۸/ ۴۵۲

۳۵۔ نووی، یحی بن شرف ''الکامل شرح صحیح مسلم،، ص ۱/ ۲۹۱ (قدیمی کتب خانہ، کراچی)

۳۶۔ ابوداؤد ''السنن،، کتاب الادب، باب اللعب بالبنات، ص ۴/ ۴۳۸

۳۷۔ ابوداؤد ''ایضاً،، کتاب الادب، باب فی الارجوحۃ، ص ۴/ ۴۴۰

۳۸۔ القرآن: البقرۃ: ۱۷۰

۳۹۔ القرآن: البقرۃ: ۲۶۰

۴۰۔ القرآن: البقرۃ: ۲۶۹

۴۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید ''السنن،، ابواب الزھد، باب الحکمۃ، ص ۳۱۷ (احیاء السنۃ النبویۃ، سرگودھا)

۴۲۔ اصفہانی، راغب ''مفردات القرآن'' ترجمہ محمد عبدہ، ص ۱/ ۲۵۴ (اہل حدیث اکادمی، لاہور)

۴۳۔ ابن قیم الجوزی ''زاد المعاد،، ص ۳/ ۲۴۲

۴۴۔ بخاری، الجامع الصحیح،، کتاب النکاح، باب النسوۃ التی ......الخ، حدیث نمبر ۵۱۶۲، ص ۹/ ۲۵۵

۴۵۔ القرآن: آل عمران: ۱۱۸

۴۶۔ ا داؤد ''السنن،، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، ص ۴/ ۷۸

۴۷۔ قاری محمد طیب ''اسلامی تہذیب وتمدن،، ص ۹۸، ۹۴ (ادارہ اسلامیات، لاہور)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۸۔ i قاری محمد طیب ''ایضاً، ص ۹۸، ۹۴
ii ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم الحرانی ''اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم، ص ۱/ ۴۷۱
(وزارۃ شئون الاسلامیہ، سعودی عرب)
۴۹۔ ابن البزاز، محمد بن شہاب ''فتاوی بزازیہ، علی ھامش الھندیہ ص ۶/ ۳۳۲
(المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، مصر ۱۳۱۰ھ)
۵۰۔ ابن تیمیہ ''اقتضاء الصراط المستقیم، ص ۱/ ۴۷۱
۵۱۔ ابن البزاز ''فتاوی بزازیہ، ص ۶/ ۳۳۲
۵۲۔ حافظ ابن حجر العسقلانی، احمد ''فتح الباری شرح البخاری، ص ۱۰/ ۲۷۵ (دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)
۵۳۔ العلوان، عبد اللہ الناصح، ''تربیۃ الاولاد فی الاسلام، ص ۱/ ۱۸۳ (دار السلام، بیروت ۱۹۸۱ء)

© rasailojaraid.com